© rasailojaraid.com

سید سلیمان ندوی
ایک مکتوب نگار کی حیثیت سے

از

جناب سید ذوالفقار حسین صاحب بخاری ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج - لائلپور

خط لکھنا ایک فن ہے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک لطیف فن ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے وہ عظیم شاعر و ادیب جن کے اشعار اور تحریروں پر ہم سر دھنتے ہیں وہ خط نگاری میں عام طور پر کوئی اونچا مقام حاصل نہیں کر سکے، انگریزی میں ہزارہا انشا پرداز ہیں مگر جن کو مکاتیب نگاری میں کوئی مقام ملا وہ معدودے چند ہیں، ولیم کوپر، شہزادی مارگریٹ، نیوکاسل، چارلس لیمب، ڈی ایچ لارنس اور کیٹس منفرد ہیں۔

یہی حال دیگر ترقی یافتہ زبانوں کے ادبا شعرا کا ہے، دور کیوں جایئے محمد حسین آزاد جو اردو کے بہت بڑے صاحب طرز انشا پرداز ہیں اور جن کی تقلید کسی سے نہ ہو سکی، اُن کے مکتوبات بھی کوئی خاص لطف نہیں رکھتے آزاد کی تحریر کا البیلا پن مکتوبات میں مفقود ہے۔

خط کی ایک خوبی اس کی قطعیت ہے، دوسری صفت یہ ہے کہ اس میں ایک اُنس و موانست کی فضا ہو، یوں محسوس ہو کہ ایک شخص براہِ راست کہہ رہا اور دوسرا سُن رہا ہے، درمیان میں کسی تیسرے آدمی کا کوئی وجود ہی نہیں، تیسرے خطوں کو زندہ رکھنے والا بڑا عنصر اُن کا دلچسپ انداز ہوتا ہے، ان میں ایسی باتیں ہوں جن سے عام انسانی جذبے کے لئے ایک وسیع تر اپیل ہو، گویا مکتوب نگاری کی چوتھی اہم خصوصیت عمومیت اور تنوع ہے۔ خط میں لطافت ہو، جن خطوط میں لطافت کا عنصر جتنا کم ہوگا اتنے ہی وہ ادبی خطوط کے دائرے سے خارج ہوتے چلے جائیں گے، خطوں میں ایجاز و اختصار ہونا بھی ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیدؔ صاحب کے مکاتیب محولہ بالا خصوصیات کے حامل ہیں، ان میں قطعیت ہے، لطافت ہے۔ انشاء پردازی ہے، اُنس ومحبت کی فضاء ہے، ہم کلامی کا مزہ ہے، اُن میں عام انسانی جذبے کو متاثر کرنے کے عناصر ہیں، اور ایجاز واختصار ہے، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب' سید صاحب کے خطوط کی خصوصیات گنواتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"آپ ہمیشہ چھوٹے چھوٹے جملے تحریر فرما کر ایک طرح کوزہ میں دریا بند کر دیتے، اور نہایت معنیٰ خیز الفاظ ہوتے، صحیح معنوں میں قلّ ودلّ کے مصداق ہوتے"[1]

سیدؔ صاحب خطوں میں ایجاز واختصار کا بہت خیال رکھتے ہیں، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کو لکھتے ہیں۔

"میری اور آپ کی ملاقات مرحوم ڈاکٹر اقبالؒ ہی کے ذریعے سے ہوئی تھی، اس لئے آپ کے اور میرے خطوں کے تبادلہ میں اس سانحۂ عظیم کا ذکر ضروری ہے، جس کے اظہار کے لئے الفاظ ناکافی ہیں"[2]

پروفیسر عبدالعزیز میمن کو لکھتے ہیں:

"والانامہ نے مشرف کیا، ایک شامی عیسائی عرب نے (ابن ریحانی نام ہے) ابوالعلاء کا انگریزی ترجمہ کیا ہے، جدّہ میں اس کا ساتھ تھا، اس کی بڑی کوشش تھی کہ تمام عرب طریقۂ ابوالعلائی پر آجائیں تو بیڑا پار ہے، آپ کا ابوالعلائی جزء مئی کے "معارف" میں نکلے گا...... ندوہ میں ضرور آیئے، تاریخ مناسب ہے، یکم جون کو مدرسہ کھلے گا، ہمارے ہاں لڑکوں کی بڑی تعداد نہیں، چھوٹے سے لے کر بڑے تک صرف ۱۵۰ ہے مگر کیفیت بہترین ہے، افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں کوئی ایک فنی خالص ادیب نہیں"[3]

ڈاکٹر عبداللہ صاحب کو لکھتے ہیں:

"آپ کے متعدد خطوط میرے ذمہ واجب الادا ہیں، میرا عذر یہ ہے کہ میں ۱۲/ جون سے ۱۴/ جولائی تک اپنے مستقر سے باہر شہر بہ شہر ندوہ کے چندہ کے لئے مارا مارا پھرا، ڈاک کہیں نہیں منگائی۔

---

[1] اُردو ادب ص ۹ علی گڈھ دسمبر ۱۹۶۰ء مرتبہ آل احمد سرور [2] اُردو ادب ص ۲۲ و ۲۳

[3] مکاتیب نمبر۔ نقوش ص ۲۹۱ لاہور ۱۹۵۷ء مرتبہ محمد طفیل۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واپس آکر آپ کے اکٹھے خطوط ملے، کل کی ڈاک سے مضمون کتب خانہ شروانیہ اور رسالہ ' تاریخِ قیروان ملا، شکریۂ مزید "[1]

اپنے شاگردِ رشید کو لکھتے ہیں تو اس میں لطافت اور موانست کے ساتھ ساتھ کتنا اختصار ہے وہ ملاحظہ ہو،

"برادرِ عزیز توفیق الٰہی رفیقِ حیاتش باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کے کئی خط ملے جو آپ کے تعلقِ خاطر اور محبتِ قلبی کے شاہد ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو دین وملت کی خدمات کی مزید توفیق عنایت فرمائیں، میں نے جواب میں خاموشی اختیار کی کہ میں نے اپنی کشتی منجدھار میں توکلاً علی اللہ چھوڑ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندۂ محتاج کے ساتھ جو معاملہ بھی فرمائیں گے وہ اس کی عین عنایت اور عین مصلحت وحکمت ہوگی، دار المصنفین میں آپ لوگوں نے جو طے کیا ہے میں اس پر راضی ہوں اور درگاہِ الٰہی میں داعی ہوں کہ اس کو دار المصنفین کے حق میں مفید ونافع فرمائے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را ؛ تو دانی حسابِ کم وبیش را "[2]

دوسری جگہ انہی کو لکھتے ہیں:

"سنا ہے کہ آپ لوگوں کی طلبی مدرسۂ عالیہ کلکتہ سے آئی تھی، کیا یہ سچ ہے، ابھی تو آغاز ہے۔ ع

اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں۔"[3]

مولانا سید مسعود عالم ندوی کو لکھتے ہیں۔

"آپ کا آنا مبارک، مگر آج کل دن کو بہار لائٹ ریلوے سے سفر عذاب الیم ہے، جس سے ہر مومن کو پناہ مانگنی چاہئے، کوئی چھینٹا پڑے تو قصد کیجئے، یا رات کو سفر کیجئے، اور رات بہار میں گذار کر صبح کو دیسنہ کا ارادہ کیجئے۔"[4]

غلام محمد صاحب نے انہیں لکھا کہ:

"حافظہ کمزور ہے اور نسیان بڑھ رہا ہے کوئی روحانی علاج تجویز فرمایا جائے"[5]

---

[1] مکاتیب نمبر، نقوش صہ ۲۹۱ لاہور ۱۹۵۷ء مرتبہ محمد طفیل۔ [2] 'معارف' فروری ۱۹۵۷ء [3] ایضاً۔
[4] مکاتیب سلیمان ندوی مرتبہ مسعود عالم ندوی صہ ۱۲۵ [5] تذکرۂ سلیمان صہ ۴۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید صاحب اس کا جواب اِن مختصر الفاظ میں دیتے ہیں :

" یہ تو کوئی مادی مرض ہے دوا کیجئے اور دعا بھی کیا کیجئے "

غلام محمد صاحب ایک دوسرے عریضہ میں لکھتے ہیں :

" اخقر عجیب متضاد کیفیات میں مبتلا ہے، شہر کی زندگی سے دل رو کھا ہو چکا ہے اور جی چاہتا ہے کہ کسی دیہات ہی میں رہ پڑوں تو شاید صحت اچھی ہو جائے، لیکن ساتھ ہی بعض رکاوٹیں ہیں جو اس راہ میں حائل اور اشد ہیں، مثلاً علمِ دین سیکھنے کی تڑپ، طبِ یونانی جس کا مطالعہ جاری ہے، ایسے ہی بعض اور فوائد جو صرف یہیں حاصل ہیں، غرض کوئی صورت ہر طرح سکون کی دکھائی نہیں دیتی۔"

سید صاحب نے اس کا جواب اِس طرح دیا :

" اس دنیا میں سکون صرف تعلق باللہ اور ترکِ علائقِ غیر میں ہے ؎

نہیں جمعِ دل، جمعِ اسباب سے ؛ رہ جمعِ دل ذکرِ اللہ سے (سید صاحب)

اللہ تعالیٰ آپ کی آرزو پوری کرے۔

حصولِ علمِ دین کی تڑپ مبارک ہو، سب سے پہلا فرض طلبِ رزق ہے اور اس میں اخلاصِ نیت کے ساتھ سعی و محنت بھی مجاہدہ ہے، گھبرانے کی بات نہیں، تاخیرِ رزق کی ایک نعمت یہ ہے کہ آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے، رزق امرِ موعود ہے تو وہ ملے گا خواہ اپنی آرزو کے مطابق نہ ہو، سو اس آرزو کو چھوڑ دینا چاہیے"[1]

غلام محمد صاحب توحید کی بابت کچھ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں، سید صاحب توحید ایسے وسیع ترین مضمون کو چند جملوں میں اس طرح بیان کر دیتے ہیں :

" توحید کا بڑا مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام اور ہر معاملہ میں ہمارا الٰہ ہے اور اس کے سوا کسی میں نفع و ضرر اور عطا و عدمِ عطا کی قوت نہیں، سب اس کے اذن و مشیت سے ہوتا ہے وہی جو چاہتا ہے سو ہوتا ہے، اور جو نہیں چاہتا سو نہیں ہوتا، سارا عالم اس کے زیرِ فرمان ہے

[1] تذکرہ سلیمان ص ۴۶۱م۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے سوا کسی دوسرے پر حقیقی نافع وضار اور معطی و مانع ہونے کا گمان بھی نہ ہو۔"[1]

تمکین کاظمی صاحب کو نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں یہ خط لکھا ہے:

"مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

نوازش نامہ ملا۔ ادبی خدمت کا یہ نیا جوش مبارک ہو، باقی میرا حال تو یہ ہے، ؎

گئے وہ دن ٹکٹکی باندھنے کے ؛ اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

معذرت خواہ ہوں۔ والسلام"[2]

انہی کو دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"الحمد للہ بخیریت ہوں، اور تماشائے روزگار دیکھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو دور فرمائیں، معلوم نہیں آج کل آپ کے ادبی مشاغل کیا ہیں۔ والسلام"[3]

ان مثالوں سے ان کے اختصار کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ حرف مطلب بیان کرنے میں کسی ایچ پیچ کے قائل نہیں، اور ادبی حسن کی خاطر عبارت آرائی کی طرف نہیں جاتے، انہیں جو کچھ کہنا ہوتا ہے قطعیت کے ساتھ کہہ ڈالتے ہیں، ان کے ہاں نہ بے جا اشعار کی بھرتی ہے[4]۔ نہ فضول قسم کی رعایت لفظی کا سہارا ہے، وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، صاف صاف کہتے ہیں وہ مکتوبات کو پُر تصنّع عبارت آرائی کا ذریعہ نہیں بناتے، ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے سید صاحب کے خطوط کی ذیل کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں:-

"سید صاحب کے خط اپنی نکتہ آفرینی کے لئے اور عبدالماجد دریا آبادی کے خط اپنی ادبیانہ شان کے لئے ۔ جس کے اندر کہیں کہیں طنز کی نوک بھی چبھ رہی ہوتی ہے، خاص طور پر لائق ذکر ہیں، سلیمان بھی خانوادۂ شبلی کے ایک فرد ہیں، ان کے خطوط ماجد کے خطوں کے مقابلہ میں زیادہ فرحت افزا ہیں، ماجد کے خطوں میں کہیں کہیں تلخی اور جھنجھلاہٹ آجاتی ہے، سلیمان کی نظر اپنے مکتوب الیہ پر

---

[1] تذکرہ سلیمان ص۵۹ [2] مکاتیب نمبر نقوش ص۵۱۵ [3] ایضاً ص۵۱۶

[4] ابتدا میں سید صاحب اپنے خطوط میں اشعار کا استعمال عام طور پر نہیں کرتے تھے لیکن مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی بیعت کے بعد اشعار کا استعمال کرنے لگے تھے لیکن اعتدال کا راستہ آخر تک قائم رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑتی ہے"[1]

ان کے مکتوبات کی فرحت افزائی جسے ہم نے "لطف" کے لفظ کے ساتھ ادا کیا تھا ان کی تحریر کا نمایاں وصف ہے، اس کے نمونے جا بجا اُن کے مکتوبات میں بکھرے پڑے ہیں مثلاً:۔

"صہبائی تمن! شاد باد زندہ باد، کل آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی، انسانوں کی کمی نہیں، انسانیت کی کمی ہے، آپ کے خط سے آپ کے بلند اخلاق، تواضع خُو اور متین طبیعت کا اندازہ ہوا، آپ میرے الفاظ سے مایوس نہ ہوں، ترقی اور کمال ایسے ہی لوگوں کی قسمت ہے، آپ کے مشیرانِ سخن نے آپ کو مشورہ دینے میں کمی کی ہے، آپ نے مشورہ لینے میں کمی نہیں کی ہے"[2]

نکتہ آفرینی کی ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

"نصیر الدین ہاشمی نے اپنے ایک نو تعمیر مکان کا نام "بیت الفضل" رکھا تھا، سید صاحب خط لکھتے وقت انہیں اس طرح مخاطب کرتے ہیں:۔

"صاحب الفضل"[3]

ہاشمی صاحب کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:۔

"غواصی کا دیوان بڑی غواصی کے بعد آپ کو ہاتھ آیا"[4]

عبد الماجد دریا بادی صاحب جن دنوں فلسفۂ جذبات و نفسیات و اجتماع کے چکر سے نکل کر امنِ عالم کے داعی تھے، اس وقت سید صاحب نے انہیں جو خطوط لکھے اُن کے القابات میں بھی اُن کی نکتہ سنجیاں ملتی ہیں، مثلاً

"قاصدِ امن کو سلام کہتے ہیں اور کبھی السلام علی مبلغ السلام"[5]

حاجی عبد السلام صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کے عنایت نامہ کے ملنے سے خوشی ہوئی۔ ع

اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری

---

[1] اُردو خط نگاری صہ ۳۵ [2] مکاتیب نمبر نقوش۔ [3] ایضاً صہ ۵۰۰ و صہ ۵۰۱ [3] مکاتیب نمبر نقوش صہ ۵۰۳

[4] مکاتیب نمبر نقوش صہ ۵۱۶ [5] بریدِ فرنگ صہ ۱۲۵ [6] ایضاً صہ ۱۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

.یں کیا! تاہم آپ بھائی کے حق میں غائبانہ دعا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے "[1]

مولانا مسعود علی ندوی صاحب کو تحریر فرماتے ہیں :

" مشتاقِ دیدار کو سلام "

لو بھی پہلے تو شک تھا کہ شاید اب بھی جہاز ملے یا نہ ملے مگر خدا کا شکر کہ محمد علی صاحب کی اندھا دھند کوششوں اور نوری عزیز بے ایک ترک تاجر کی جانفشانی سے جہاز مل گیا "[2]

سید صاحب کے مکتوبات لطف و لذت کے علاوہ اپنے اندر بہت کچھ ادبی چاشنی رکھتے ہیں، یہ ادبی چاشنی عبارت آرائی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ سید صاحب کے جذبات کی گرمی اور احساسات کی توانائی کا نتیجہ ہے، خصوصاً منظر کشی کے وقت ان کا قلم اپنی پوری جولانی دکھاتا ہے، مناظرِ قدرت سے لذت اندوزی مولانا کے مزاج کا خاصہ ہے۔ " بریدِ فرنگ " میں اس کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے :

" ولایت کا مسافر حرم کی ہمسایہ سرزمین پر کھڑا ہو کر سلام عرض کرتا ہے "[3]

اب جبکہ ہر قدم خاکِ ہند کے قریب پڑ رہا ہے آپ کو خط لکھنا بظاہر فضول معلوم ہو لیکن یہ خط اگر ڈاک کے جہاز میں جو ہمارے جہاز کے سامنے ہی بندر عدن میں کھڑا ہے پڑ گیا تو مجھ سے پہلے

---

[1] یہ خط حاجی صاحب موصوف ناظم مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم جامع مسجد لائل پور نے سید صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہم کو دکھایا ہے یہ دار المصنفین سے ۸ رشوال ۱۳۶۳ھ کو لکھا گیا تھا۔ [2] برید فرنگ ص ۱۸۲

[3] سید صاحب نے کئی خطوط میں سلام پہنچانے کا انداز بڑا انوکھا اور دلکش اختیار کیا ہے۔ مثلاً :

غریب الدیار کا سلام لیجئے — بریدِ فرنگ ص ۱۴۵
پرسانِ احوال سلامِ محبت — ایضاً ص ۱۴۱
مسافر کا سلام لیجئے — ایضاً ص ۱۹
سلامِ نیاز و محبت — ایضاً ص ۵۸
السلام علیٰ مبلغ السلام — بریدِ فرنگ ص ۱۳۷
مہاجرِ وطن کا سلام لیجئے — ایضاً ص ۱۲۷
غریب الدیار کی طرف سے سلامِ نیاز قبول ہو — ایضاً ص ۱۳۳
کرم فرمائے من آداب عرض ہے، خط بنام مالک رام۔ مکاتیب نمبر نقوش ص ۵۱۴
محکوم قوم میں پیامِ امن کی تبلیغ کرنے والے کو سلام — بریدِ فرنگ ص ۹
ہندی مسافر سلام کرتا ہے — ایضاً ص ۱۲۹
مشتاقِ دیدار کو سلام — ایضاً ص ۱۸۲
قاصدِ امن کو سلام — ایضاً ص ۱۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ آپ تک پہنچ جائے گا، اور اس طرح سفر کے آخری حالات اختتامِ سفر سے پہلے آپ کو معلوم ہو جائیں گے، اور اس طرح ہمارے عہد کی آخری قسط بھی نیک نیتی اور خوبی کے ساتھ ادا ہو جائے گی، ۱۷ر ستمبر کو ۴ بجے شام آخری لمحہ تھا کہ ہمارے جہاز نے یورپ کے ساحل سے لنگر اٹھایا، اور ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس بیگانہ تہذیب و تمدن کی قید سے ۶ مہینے کی اسیری کے بعد نجات ملی، بحرِ اٹلانٹک سے نکل کر جب ہم نے میڈیٹیرینین (بحرِ متوسط) میں قدم رکھا تو ہر چیز ہم کو مانوس نظر آنے لگی، یونان کے سواحل ۲۴ گھنٹے سے زیادہ تک پیشِ نظر رہے کریٹ سامنے سے گذرا پھر یکے بعد دیگرے اور جزیرے گذرتے گئے، اس تمام اثنا میں اس عہد کا خیالی منظر سامنے رہا جب یہ تمام سمندر اور اس کے یہ جزیرے ہمارے اسلاف کے دریا پیما جہازوں کے سیر گاہ تھے: ع

بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی[1]

اعلیٰ درجے کی مکتوب نگاری کا ایک اور وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ لکھنے والے کے ذاتی جذبات واحساسات اس کے تار و پود میں یوں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں کہ مکتوب نگار کسی شخصیت کی تصویر ان کے بغیر مکمل نہیں کی جاسکتی ان میں شخصی انشائیے (PERSONAL ESSAY) کا رنگ آجاتا ہے، سید صاحب کے خطوط میں ان کے جذباتِ دروں، ان کی تمنائیں، ان کی حسرتیں، ان کا ذہنی کرب، ان کی پسند ناپسند، ان کا کیف و سرور پوری طرح نمایاں ہے، بلکہ بعض مکتوبات کے اگر ابتدائی حصے حذف کر دیئے جائیں تو یوں محسوس ہوگا گویا کسی نہایت اچھے انشائیہ کا کوئی ضروری حصہ رہ گیا ہے، مثلاً عبدالماجد صاحب کے نام ایک خط میں اپنی تکلیف اور اپنے دیگر احساسات کو بیان کرتے ہیں، یہ خط شخصی انشائیہ کا نمونہ ہے :-

"اِدھر چند ہفتوں سے میں جناب کے علم کدہ میں حاضر نہ ہوا، معافی کا خواستگار ہوں، واقعہ یہ ہے کہ میں یکایک سخت بیمار ہو گیا، میرے پیٹ میں ہندوستان میں ایک دو[2] دفعہ درد ہوا تھا جو رِیاحی سمجھا گیا، مگر جہاز پر قدم رکھنے کے ساتھ وہ ماہانہ دورہ کی شکل اختیار کرتا گیا، یہاں تک کہ پہلا دورہ ۱۹ر جون کو اس قدر سخت پڑا کہ میں مایوس سا ہو چلا اور اس سکرات کے عالم میں تمام مقدس

---

[1] بریدِ فرنگ صفحہ ۲۰۰ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادعیۂ ماثورات اور کلماتِ طیبات میں ایک مردِ آزاد (غالب) کا یہ شعر زبان پر تھا ؎

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور ✿ رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

...... آپ نے اپنے عنایت نامہ میں اپنے مذہب[1] کی جو تفصیل کی ہے مجھے اس سے قطعاً اختلاف نہیں، دنیا میں امن و سلامتی کے دور کا خواہاں مسلمانوں سے بڑھ کر کون ہوگا، کمزور قوموں کے لئے تو یہ آواز نویدِ حیات ہے، لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ اس آبِ حیات کی حاجت ستمگر، جفاپیشہ اپنی قوت و طاقت پر مغرور اور امن و سلامتی کو اپنی تلواروں سے وابستہ رکھنے والی کو ہے آپ غریب ہندوستان کی اسپرٹ کو اس امن و سلامتی کے وعظ سے کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ہاں یہ ہوگا کہ اس میں زندگی کی جو کچھ رُوح بھی ہے اس کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ ع

جو خود ہی مر رہا ہے اُسں کو گر مارا تو کیا مارا

میری قسمت میں ہندوستان کے ہیروؤں سے بھی ملاقات وطن سے دُور ہی مقدر تھی، لندن میں ٹیگور کا شرفِ دیدار نصیب ہوا اور پیرس میں ڈاکٹر بوس سے شرفِ نیاز حاصل ہوا......

افسوس کہ میں "اہلِ تجربہ" میں سے نہیں ورنہ کچھ "نیچرل میوزیم" کی ہسٹری بھی سُناتا، دُور سے دیکھتا ہوں اور سہم جاتا ہوں، کہ یورپ کا علم سایہ جس زمین پر پڑا وہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ فلسطین اور عراق انگریزی برکات کے ظلِ ہمایوں[2] میں اور ملک شام رندِ لم یزل فرانس کے زیرِ سایہ انہیں سعادتوں سے مالامال ہوگا، اب آپ سنیں گے کہ بیت المقدس میں، مقامِ خلیل میں، خانقاہِ بغداد میں، مدفنِ بلال رضؓ میں، موطن حسن بصریؒ میں، مقتلِ حسینؓ میں کس قدر قمارخانے، کس قدر قہوہ خانے، کس قدر دار الفواحش قائم ہوئے ہیں، تھیٹروں اور سینماؤں کے لئے ان مقاماتِ مقدسہ کے کون کون سے موزوں قطعے منتخب ہوئے ہیں، ترکوں کے عہدِ حکومت میں یہ چیزیں

---

[1] یعنی امن و سلامتی کی عالمگیر تحریک اور ہر طرح کی لڑائی سے پرہیز۔

[2] ظلِ ہمایوں اور رندِ لم یزل کی تراکیب کی لطافت پر غور فرمائیں، انگریزوں اور فرانسیسیوں کے ساتھ ان کا استعمال کتنا موزوں ہے اور جو لطیف طنز ہے اس سے ادبی لطافت میں دوچند مزہ پیدا ہو گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانوناً منع تھیں، کیوں کہ وہ جفاکار، وحشی تھے، اور اب تو آزادی کا دور دورہ ہے،

یورپ ہم کو اخلاقی آزادی بخشتا ہے، کیوں؟ تاکہ ہم سیاسی آزادی کے قابل نہ رہیں، ورنہ وہ کون سی آزادی ہے جو مغربی اقوام کے تحت مشرقی قوموں کو نصیب ہے؟ یہاں الجیریا کے مسلمانوں سے بکثرت ملاقاتیں ہوئیں، وہ اپنی آزادی کی وہ دردناک کہانی سناتے ہیں کہ آپ اپنے امن کا فسانہ ان کے سامنے بھول جائیں گے۔[1]

مولانا مسعود علی ندوی کو لکھتے ہیں:-

"میں تو یہ سمجھتا تھا کہ ۵ ماہ کے ادائے فرائض کے بعد اس مختصر قصبہ میں اسلامی دنیا کے لوگوں سے ملنے جلنے کا موقع نہیں ملے گا لیکن خدا کی قدرت کہ یہیں موقع زیادہ ہے، محمد علی صاحب کو تو وزرائے حکومت اور اربابِ سیاست میں کام کرنا تھا لیکن میری جولانگاہ صرف مسلمانوں ہی کے دل تھے، مجھے دوستوں سے شکوہ ہے، دشمنوں سے گلہ نہیں، دشمنوں نے جو کچھ کیا وہ ان کی دشمنی کا تقاضائے طبع ہے، لیکن اصل شکوہ تو خود مسلمانوں سے ہے۔ ع

سعدی از دستِ خویشتن فریاد

اسلام کی آخری یادگار (ٹرکی) کو کس نے مٹایا ہے؟ ہندوستان کے ہندیوں اور مصر و مراکش والجیریا کے مسلمانوں نے!

ان کا کہنا ہے کہ یہ تم نے کیا کیا؟"[2]

انہی صاحب کو ایک صاحب کے ساتھ ملاقات کا حال لکھا ہے، سید صاحب جراءت کر کے آگے بڑھے اور انہیں سلام کیا، سید صاحب لکھتے ہیں:-

"میں سچ کہتا ہوں اور صرف خطیبانہ انداز میں نہیں بلکہ واقعہ اور حقیقت کے رنگ میں کہ اسلام میں اگر صرف یہی ایک خوبی ہوتی تو کافی تھی کہ صدائے السلام علیکم جہاں گوش زد ہوتی ہے، اجنبی سے اجنبی کے اندر اعتماد و وثوق کی شان جھلکنے لگتی ہے کہ گویا وہ برسوں کا محرم اسرار ہے"[3]

---

[1] بریدِ فرنگ ص ۱۳۷ تا ص ۱۴۱ [2] ایضاً ص ۱۴۵ و ص ۱۴۶ [3] ایضاً ص ۱۵۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض مکتوبات تو شخصی انشائیہ کی حدود سے نکل کر خالص انشائیہ کی حدود میں داخل ہوجاتے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو تحقیقی اور علمی مقالے کا روپ دھار لیتے ہیں، اگر ابتدائی کچھ تمہیدی سطور حذف کردیں تو معلوم ہوگا کہ سید صاحب کوئی علمی یا تاریخی یا مذہبی موضوع پر مضمون یا مقالہ سپرد قلم فرما رہے ہیں مثلاً:

مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط ملاحظہ فرمائیں:

"لفظ تصوف کا احسان کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسے حکمت کے ساتھ لفظ فلسفہ بول دیا جائے یا آج کل سائنس یا فلاسفی کہہ دیا جائے، بزرگوں نے لفظ احسان کو ان معنوں میں رکھا ہے، اور ٹھیک ہے کہ اس کا ورود حدیثوں میں ہے لیکن اب تو مجھے اس کے لئے تقویٰ اور اتقا کی اصطلاح اچھی معلوم ہوتی ہے، کہ اس کا ورود قرآنِ پاک میں بکثرت ہے، اور عبادات بلکہ تمام ماموراتِ الٰہیہ کا مقصود اس کیفیت کا حصول معلوم ہوتا ہے۔

وَلَا يَخْفٰى ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَتَّبِعُ كِتَابَ اللّٰهِ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ .... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ...... كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ - حج و قربانی:- وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ـــ تعظیم شعائر- وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ اِغاز کتاب هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ وغیرہ

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ حصولِ تقویٰ، حقیقتِ تقویٰ، شرائطِ تقویٰ، طریقِ حصولِ تقویٰ، ازالۂ موانع تقویٰ، تقویٰ فی الایمان باللہ وَاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَاَنْبِيَآئِهٖ وَكُتُبِهٖ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وتقویٰ فی العبادات والمعارف والاخلاق وکیفیات القلوب التی ہو الاخلاص فی الدین کو بھی عقائد و فقہ کی طرح مدوّن کردیا جائے، چنانچہ محدثین و صلحائے امت نے یہی کیا ہے، امام ترمذیؒ کی کتاب الزہد والرقاق پڑھیں، امام احمدؒ کی کتاب الزہد اگر نہ مل سکے تو کتاب الصلوٰۃ پڑھی جائے تو حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔

سورۂ واقعہ پڑھیے، اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کے نام لئے ہیں، كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً اس کی تفسیر آگے ہے اول مقربین اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُقَرَّبُوْنَ - دوم اصحاب الیمین اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوم اصحاب الشمال، تیسرا گروہ اہلِ نار کا ہے، دوسرا گروہ عامہ مسلمین کا اور پہلا اخلاص امت کا ..... ۔"

یہ ایک طویل علمی خط ہے مگر دیکھا آپ نے انھوں نے کس اخلاص، برجستگی اور اختصار سے اِس علمی مضمون کو آسانی کے ساتھ بیان فرما دیا ہے، ایسے علمی خطوط میں بھی وہ مکتوب الیہ کی پاسداری کرتے جاتے ہیں، مثلاً اُسی خط میں دو تین مقامات میں ایسے جملے لکھتے ہیں :-

"بالکل صحیح آپ سمجھے کہ رضا طلب اور اپنے ہر عمل میں طلبِ رضا کا شعور پیدا ہونا ہی اس طریق کا حاصل ہے ....

جزاک اللہ خوب سمجھے نام و نمود کی خواہش جس کا شرعی نام ریا و سمعہ ہے یہ حقیقتِ عمل کی مُبطِل ہے

....

مجھے آپ کی زبان سے ان باتوں کو سُن کر بڑی خوشی ہوئی اور یہ کہنے کو جی چاہا ع

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

زادکم اللہ علماً قُل رَّبِّ زِدْنِی عِلماً ۔

بسم اللہ کیجئے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت دے ۔"[1]

اور بھی کئی علمی خطوط ہیں جن میں سید صاحب نے توحید، شرک، بدعت، موسیقی، غنا، وطن و وطنیت، وحدت الوجود وغیرہ موضوعات اور مختلف شخصیات جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی، ابن تیمیہ، ابن عربی عبدالوہاب نجدی وغیرہم پر اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کیا ہے ۔

سید صاحب نے اپنے مکتوبات میں جزئیات نگاری کے بھی بڑے اچھے نمونے پیش کیے ہیں، انہیں اپنے ماحول اور اپنے گرد و پیش کی فضا کی منظر کشی کرنے کا بھی شوق ہے، ایسے مواقع پر ان کا قلم نثر نگاری کے عمدہ نمونے پیش کرتا ہے ۔

جزئیات نگاری (DESCRIPTION) میں واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری اور موقع نگاری چار

---

[1] مکاتیب سید سلیمان ندوی صـ ۱۷۲ تا ۱۷۷ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیزیں شامل ہیں۔

جزئیات نگاری میں وہ ادیب کامیاب ہو سکتا ہے جسے زندگی سے محبت ہو اور جس نے زندگی کے واقعات کو محض تماشائی کی طرح نہیں بلکہ ایک خاص مقصدِ زندگی کے تحت مشاہدہ کیا ہو، سید صاحب اس لئے جزئیات نگاری میں کامیاب ہوئے ہیں کہ انہیں زندگی سے لگاؤ ہے، وہ ایک مقصدِ زندگی رکھتے ہیں، انھوں نے مشاہدہ ایک دردمند انسان کی طرح کیا ہے، ان کی جزئیات نگاری کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

"اس وقت ساحلِ بمبئی سے ۱۶۵۹ میل پر ہوں، جہاز عدن میں چند گھنٹوں کے لئے ٹھہریگا۔ آج سمندر کے سفر کو سات دن ہو گئے، بجز پانی کے کوئی چیز نظر کے سامنے نہیں۔ بحرِ عرب کی متلاطم موجوں سے تنہائی میں دل بہلاتا ہوں، کل بیٹھے بیٹھے بحرِ عرب پر ایک چھوٹی سی نظم کہہ ڈالی۔ ع :-

بحرِ عرب ہمارا کس شان سے رواں ہے

معلوم ہوا ہے کہ ۲۱ر کو جہاز "وینس" میں لنگر انداز ہوگا، یہ اٹلی میں واقع ہے، اٹلی ہو کر سوئٹزرلینڈ، فرانس اور وہاں سے انگلینڈ۔

جہاز میں اب تک تلاطم نہیں اس لئے چکر نہیں آیا۔ لیکن پیٹ کی بڑی مار ہے حالانکہ چار وقت کھانا ملتا ہے، صبح کو چائے، ۸ بجے بریک فاسٹ، ایک بجے ٹفن، ۷ بجے شام ڈنر، لیکن بدمزہ بدبو، خام، کل محمد علی صاحب نے خود باورچی خانہ میں جاکر گوشت بھونا، اب تک تو وضع میں نے وہی رکھی ہے، عمامہ کے بجائے ترکی ٹوپی، پائجامہ پر پینٹ، کالر البتہ بڑھ گیا ہے، ڈنر میں جانے کے لئے سیاہ سوٹ ضروری تھا، ایک سیاہ ایرانی وضع کی شیروانی، یعنی معمولی شیروانی سے چار پانچ انگل نیچی اور سیاہ پینٹ، سادہ کف دار قمیص، جس جہاز پر ہم جا رہے ہیں بہ نہایت سست ہے، دن رات میں صرف ۲۸۰ دو سو اسی میل چلتا ہے، مگر اس کے کمرے اور سامان و اسباب نہایت اچھے ہیں، ہر کمرے میں پلنگ مع بستر، کپڑے رکھنے کی دو الماریاں، ہاتھ منہ دھونے کے لئے پائپ مع طشت دیوار میں جڑا ہوا، ایک کرسی، ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برقی پنکھا، تین برقی روشنی، دو کھونٹیاں، ہر کمرہ سامانِ آرام کے لحاظ سے مسعود منزل واقع شبلی منزل سے زیادہ بہتر ہے۔ ہم اکثر بھول جاتے ہیں کہ ہمارا سفر کسی خوفناک سمندر کے اندر ہے جس کی ایک موجِ تلاطم ہماری زندگی ختم کر سکتی ہے، سید حسین صاحب آدمی بڑے وسیع المطالعہ ہیں مگر ان کو غصہ بھی جلد آجاتا ہے۔"[1]

دوسرے خط میں جزئیات نگاری ملاحظہ ہو:

"پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہمارا جہاز رات بھر ٹھہرے گا، اور وہ ساڑھے ۸ پر آجائے گا، اتنی دیر کے لئے ہم لوگ تیار ہو کر سیر کے لئے ساحلِ افریقہ پر اُترے، یہ پہلا موقع ہے کہ میرے پاؤں ہندوستان کے سوا اور کسی ملک پر ٹکے اور ایک غیر گورنمنٹ کے اہتمام و انتظام کی ایک جھلک بھی نظر سے گذری، راہ میں ایک مسجد آئی، نماز مغرب کے لئے وہاں گئے، نماز کے بعد لوگوں نے اجنبی سمجھ کر ہماری طرف دیکھا، السّلام علیکم کے بعد ہمارے مقاصدِ سفر سے جب وہ مطلع ہوئے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اُن کے چہروں سے کیسی شگفتگی کے آثار نمایاں تھے؛ فوراً سب نے ہماری کامیابی کے لئے دستِ دراز کئے۔ بدحال حبشی عرب تھے، سیہ فام تھے، ژولیدہ مو تھے لیکن ذوق چشیدۂ ایمان تھے، ہماری آنکھیں قیامت تک اُن کے چہروں کی شگفتگی، ان کی دست بوسی اور ان کی بغل گیری کے جلوؤں کو نہیں بھلا سکتیں۔"[2]

سید صاحب مع رفقاء وینس پہنچتے ہیں، اس کا مختصر حال یہ لکھا ہے:

"دوسرے دن ایک بجے کے قریب "وینس" آیا، لیکن ساحل تک پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی، یہ شہر چھوٹے چھوٹے سیکڑوں شہروں پر منقسم ہے۔ جن کو جابجا پلوں کے ذریعہ سے باہم ایک کیا ہے۔ بجائے سڑکوں کے نہریں ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ کشتیوں پر آتے جاتے ہیں، چنانچہ ہم ہوٹل کشتی پر گئے، اسٹیشن بھی کشتی پر گئے، تمام شہر یادگار تاریخی عمارات کا مرقع ہے، تمام راستے سنگی یعنی پتھروں سے بنے ہوئے ہیں، یہاں کا ہر پتھر تاریخ کا ایک صفحہ ہے گویا دلی مرحوم کا

---

[1] برید فرنگ ص۳ تا ۵ [2] ایضاً ص۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقشِ مرقوم کا لیکن افسوس کہ دہلی ویران منہدم ہے، یہ عمارات اب تک زندہ اور قائم ہیں۔

...... اب رات زیادہ گذر چکی ہے، مجھے دن رات میں تو کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا، جب نیند آتی ہے سمجھ لیتا ہوں کہ رات ہو گئی، آفتاب کا کئی کئی دن تک مُنہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا، یہاں لوگ آگ سے گرمی اور بجلی سے روشنی لے کر آفتاب کی تلافی کرتے ہیں"[1]

پامپائی اور اٹلی کے قصبات اور لوگوں کی جزئیات نگاری اِس طرح کی ہے:۔

"نیپلس" کے قریب اٹلی کے مشہور ویران شہر پامپائی کے آثار ہیں جو دو ہزار برس پہلے رومیوں کا ایک آباد و عالی شان شہر تھا، مگر آتش فشاں پہاڑ کے پھوٹنے سے برباد ہو گیا، غالب کمال کے ساتھ اسے دیکھنے گئے، موٹروں پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا راستہ تھا، پہاڑیوں کے جھنڈ میں یہ شہر ایک مرتفع مقام پر واقع ہے، اس سفر میں اور امیر فیصل کی ملاقات کے رہگذر میں بھی اٹلی کے قصبوں اور دیہاتوں سے گذرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ نظر آیا کہ یہ ملک کسی حالت میں ہندوستان سے بہتر نہیں، وہی افلاس و غربت ہے، بچے برہنہ تن یا میلے کچیلے کپڑوں میں عورتیں کثیف اور پھٹے پرانے کپڑوں میں سر پر بوجھ اُٹھائے چل پھر رہی تھیں، کاشتکار اپنے کھیتوں میں جا رہے تھے، سڑکیں ناہموار ناصاف، راستوں میں کوڑا کرکٹ، بھیک مانگنے والوں کا ہجوم، اس ویران شہر کو جو ہزاروں سال زیرِ خاکستر دفن تھا، محققینِ آثار نے اب کھود کر نکالا ہے۔ سب سے پہلا ایک عجائب خانہ ملا، جس میں عورت، مرد اور بچوں کے چند ڈھانچے ملے جو کھودنے میں نکلے ہیں اور آتش فشاں کے وقت دب کر مر گئے تھے، لاشیں اسی حالت میں اکڑی ہوئی رکھی تھیں جس حالت میں روح اُن کے تن سے نکلی تھی، اوپر چڑھ کر صحن، دیواروں، سڑکوں، عدالتوں، دوکانوں، اور کارخانوں کے آثار ملے، جن کو دیکھ کر رومی عہد کی عظمت نظر آئی، تھیٹر اور حمام خاص تماشا گاہ تھے، بہر حال اِن آثار ہی کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم عیش پرستی کے کس حضیض اور پستی تک پہنچ چکی تھی، جس کا عکس در و دیوار کے نقشوں سے آج بھی نظر آتا ہے، برہنہ عورتوں اور مردوں کی رنگین تصویریں

[1] برید فرنگ ص۱۱ و ص۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر جگہ نظر آتی ہیں"[1]

سید صاحب نے تقریب نگاری (جو موقعہ نگاری ہی کی ایک شکل ہے) اور سیرت کشی کی بھی خوب خوب تصویریں کھینچی ہیں۔

واقعہ نگاری کے ایک دو منظر ملاحظہ ہوں:

"یٹرلی واقع ڈربی شائر میں محمد علی صاحب سے فرمائش کی گئی کہ وہ انڈین نیشنلزم اور اسلامزم پر تقریریں کریں، انھوں نے تقریر اس طرح کی کہ گویا وہ کسی مسلمان مجمع میں ہیں۔ یہاں قاعدہ یہ ہے کہ مقرر کی تقریر کے بعد حاضرین میں سے اگر کسی کو تقریر کے متعلق کوئی شبہ یا خیال ہوتا ہے تو وہ پیش کرتا ہے، طالب العلم ہر جگہ طالب العلم ہوتے ہیں، انھوں نے ایک طرف سوالات کا سلسلہ باندھ دیا، پنجاب کے کوئی پروفیسر بال کشن ہیں، جن کا تعلق گردگل سے بھی ہے، انھوں نے آریہ سماج کے مناظرانہ ٹھاٹ سے مباحثہ شروع کیا، صبح کے ۹ بجے سے شام کے ۷ بجے تک بازار گرم رہا۔ بیچ میں صرف کھانے اور چائے کے لئے مجلس برخاست ہوئی، سارے اعتراضات کا مبنیٰ یہ تھا کہ انڈین نیشنلزم چاہتی ہے کہ آپ کی کوششوں کا مرکز صرف ہندوستان ہو، اسلامزم دنیا کو حاوی ہے تو آپ خاص و عام کو کیوں کر یکجا کر سکتے ہیں، ہندوستان اور اسلام کے اغراض جب باہم متضاد ہوں گے تو آپ کیا کریں گے؟

...... ایک رات کو موسیقی کا تماشا رہا "بندے ماترم" اور "ہندوستان ہمارا" اس کا آغاز و انجام تھا۔

دوسری رات کو مشاعرہ تھا، زمین پر نشست تھی، سب ہندوستانی لباس میں تھے، برقی لیمپوں کے باوجود موم کی شمع حسب آداب مشاعرہ سب کے سامنے باری باری سے رکھی جاتی تھی، مسز نائیڈو شمع انجمن یعنی میر مشاعرہ تھیں، اردو، انگریزی، مرہٹی، گجراتی، کچھی، تامل، تلنگو، بنگالی، پنجابی غرض ہندوستان کی کوئی زبان نہ تھی جس میں نظمیں نہیں پڑھی گئیں۔ دلچسپ مجمع تھا، اور ہندوستان کی بوقلمونی کا مرقع تھا"[2]

---

[1] برید فرنگ ص ۱۹۸، ۱۹۹ [2] ایضاً ص ۴۱، ۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب البرٹ مینشن کا حال سُنئے:

"جس مکان میں ہم لوگ مقیم ہیں اس کا نام "البرٹ ہال مینشن" ہے، البرٹ ہال انگلینڈ کا سب سے بڑا اور مشہور ترین ہال ہے جس میں ۱۰ ہزار آدمی کی نشست ہے، یہ ہال ہمارے مکان کے پیچھے ہے، ہال کے ایک طرف میں البرٹ ہال مینشن ہے، یعنی عظیم الشان عمارتیں ہیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر چھ سات منزلیں ہیں، میری سکونت چوتھی منزل پر ہے جس کو ۱۱۲ زینے کی مسافت قطع کرتی ہے، اگر لفٹ (کَل کا زینہ) نہ ہو تو اترنا چڑھنا مشکل ہو جائے، البرٹ ہال کے کل فلیٹ (درجۂ عمارات) کا نمبر ۷۰ سے زیادہ ہے، ہمارے فلیٹ کا نمبر ۸ ہے، مکان کے سامنے باغ ہے، اس باغ میں البرٹ میموریل ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک عظیم الشان چبوترہ پر اسٹیچو قائم ہے، چبوترہ کے چاروں طرف گوشوں پر دنیا کے چار برّ اعظم ایشیا، افریقہ، امریکہ اور یورپ کے باشندوں کے مع ان کی اہم خصوصیتوں کے مجسّمے ہیں، ہندوستان ہاتھی پر سوار ہے، افریقہ اونٹ پر، امریکہ بھینس پر اور یورپ گائے پر، اس باغ کو طے کیجئے تو دوسرا باغ شروع ہوگا۔ جس کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی "ہائڈ پارک" ہے اور جو دانگِ عالم میں اپنی خصوصیات کے لئے مشہور ہے، یہاں اکثر اوقات لوگوں کو بے حجاب جلوے نظر آتے ہیں، جا بجا میدانوں میں، درختوں کی جڑوں، کنجِ باغ میں، جھاڑیوں میں آپ کو دو دو کرسیاں پڑی ہوئی ملیں گی، قرآن کی آیتِ پاک وَخَلَقْنَا کُلَّ شَیْءٍ زَوْجَیْنِ کی تفسیر کا عملی مشاہدہ آپ کو یہیں ہوگا، اس کے بیچ میں ایک نہر جاری ہے جس میں سیکڑوں کشتیاں پڑی ہیں، ہر کشتی کسی مرد یا صنفِ نازک کی نازک انگلیوں سے حرکت کرتی ہوئی کسی نہ کسی جھاڑی کے سایہ میں پہنچ کر گھنٹوں آرام کرتی ہے، انواع و اقسام لذائذِ روحانی کا منظر دکھاتی ہے، ہر کس و ناکس چلتے پھرتے یہ منظر دیکھ سکتا ہے۔"[1]

ایک اور جگہ کا نقشہ ملاحظہ ہو، سید صاحب بیمار ہونے کے بعد ڈاکٹروں کے مشورے سے ویشو (فرانس) میں قیام و آرام کے لئے آئے ہوئے ہیں۔

[1] برید فرنگ ص ۱۱۳ و ۱۱۴ –

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جس مقام سے میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں یہ اس شہر کا جو عارضی طور سے موسم میں آباد ہو جاتا ہے، کلب ہے، یہ ایک وسیع باغ و عمارت ہے جس میں مختلف مقامات پر کئی ہزار کرسیاں پڑی ہیں جن کے ممبر ہی اُن پر بیٹھ سکتے ہیں، اب آپ سُنئے کہ یہ تمام کرسیاں شروع سے آخر تک ہمیشہ معمور رہتی ہیں، اس کے ایک گوشہ میں تھیٹر ہے، دوسرے گوشہ میں ریسٹوران ہے، ایک کمرے میں اخبارات ہیں جن کو لوگ پڑھ رہے ہیں، اس کے مقابل کے بازوؤں کے کمروں میں میز و کرسی اور بیچ میں خط لکھنے کے لئے لفافے، کاغذ اور دوات قلم ہیں اور یہ دونوں کمرے لکھنے والوں سے بھرے ہیں، سامنے لائبریری ہے۔ اور لائبریری کے سامنے ہی قمار خانہ ہے جہاں تمام دن فرانس کے شرفاء بیٹھے ہوئے جوا کھیلتے رہتے ہیں، کھیلنے والوں کے چاروں طرف تماشائی ہیں، باغ کی ایک روش پر" لذتِ شب "کے سوداگروں کا بازار ہے، تماشا خود محوِ خرام ہے اور تماشائی چکر کاٹ رہے ہیں، ایک اور طرف رقص و سرود کا سامان ہے، یہ مجموعی نیرنگی و بوقلمونی اور ایک ہی دسترخوان پر صف بہ صف مختلف الوان طعام فرنچ تمدّن کی خصوصیت ہے، کیا آپ ہندوستان میں بھی یہی نقشہ چاہتے ہیں؟"[1]

کردار نگاری کے مرقعے بھی دیدنی ہیں، وہ صرف ظاہری شکل و صورت کا نقشہ ہی نہیں کھینچتے[2] بلکہ درونِ خانہ بھی جھانک کر دیکھتے ہیں۔

"فیصل کا لمبا قد ہے لمبا مُنہ چھوٹی چھوٹی ترشی ہوئی داڑھی، بڑی آنکھیں، مسکرا کر باتیں کرتے ہیں، بہر حال ڈیڑھ گھنٹہ کی گفتگو اور مباحثہ کے بعد ہم لوگ واپس ہوئے، انھوں نے وعدے تو بہت کچھ کئے ہیں، کچھ متاثر بھی معلوم ہوتے تھے، لیکن ہم میں سے کسی کو بھی ان کی گفتگو پر اعتبار نہیں، لیکن بہر حال یہ ملاقات مفید رہی اور اس وفد کا خاتمۃ الاتصال بھی یہی ملاقات ہونا چاہیے تھا۔"[3]

---

[1] برید فرنگ ص ۱۴۰، ۱۴۱۔ [2] سید صاحب مع رفقاء پورٹ سعید میں اُترتے ہیں..... "مسلمانوں سے ملے ان کو اپنا فرض یاد دلایا اور اپنے کام سے آگاہ کیا، ہم نے ہر جگہ پایا کہ دلوں میں آگ سی لگی ہوئی ہے" (برید فرنگ ص ۱) [3] برید فرنگ ص ۱۸۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک فرانسیسی اہلِ قلم سے ملاقات کا مختصر حال لکھا ہے :-

"موسیو کیلا رفیرے ایک مشہور فرنچ اہلِ قلم سے ملاقات ہوئی، اس نے جس لطف و محبت، تواضع اور انسانی ہمدردی سے باتیں کیں، اس کے لفظ لفظ اور ایک ایک ادا سے جس انسانیت اور عالمگیر اخوت کا اظہار ہو رہا تھا قلم عاجز ہے کہ اس کی تصویر کشی کر سکے، اس نے کہا میں کیتھولک ہوں، میں سمجھ سکتا ہوں کہ مسئلۂ خلافت تمہارے دلوں سے کس طرح لگا ہوگا، اس نے کہا کہ فرانس تمہارے خلاف انگلینڈ سے متحد ہے تو میں اکیلا فرانس سے لڑوں گا، وہ گو فرینچ میں باتیں کر رہا تھا، ڈاکٹر نہاد رشاد ایک ترک فرینچ میں ان کی ترجمانی کر رہے تھے، تاہم مرحوم غالب کی طرح ؎

واہ ری تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ترجمہ سے پہلے مطلب مفہوم ہو جاتا تھا، محمد علی صاحب باوجود ظاہری ڈیل ڈول کے ذرا موقع پا کر فوراً آنسو ٹپکا دیتے ہیں، اس وقت بھی آمادۂ بکا تھے مگر خیریت گذری"[1]

حسن و جمال کا احساس سید صاحب کی شخصیت کا حصہ ہے بظاہر یہ بات ایک عالمِ دین کے بارے میں عجیب معلوم ہوگی لیکن احساسِ جمال ایک ذہنی رجحان ہے، کسی شخصِ خاص سے جذباتی لگاؤ یا محض رندی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، دوسرے وہ زندگی کو "خیرِ محض" جانتے ہیں، صوفیا کی طرح خدا کو حسنِ مطلق اور مظاہر قدرت کو اُسی کی جلوہ گاہ جانتے ہیں، ان کی تحریروں میں جابجا احساسِ حسن کی جھلک دکھائی دیتی ہے، یہ احساسِ حسن اعتدال کی حدود میں ہے، اسی طرح انہیں اپنی ذات سے محبت ہے، ان کے ہاں بھی احساسِ انا (EGO) ہے مگر غالب یا ابوالکلام آزاد کی طرح افراط کا شکار نہیں، اس سے ان کے مکتوبات کی دلکشی بڑھ گئی ہے۔

وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے بھی اپنا ذہنی توازن برقرار رکھتے ہیں، ان کے مزاج کی شگفتگی ان مرحلوں پر ان کی دست گیری کرتی ہے اور ہر رنگ اور حال میں وہ اپنے گرد وپیش سے لطف لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اپنے چچا جان کو لکھتے ہیں :-

"جی تو چاہتا ہے کہ اس سفر کا ایک ایک جزئی واقعہ آپ کو خط میں لکھوں لیکن تنگیٔ داماں کا گلہ ہے

---

[1] بریدِ فرنگ ص ۶۰ و ۶۱ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کثرتِ حُسن کا شکوہ ہے"[1]

عدن سے ایک خط دار المصنفین اعظم گڑھ مسعود علی ندوی کو لکھتے ہیں، جس جہاز میں سفر کر رہے ہیں اس کے کمروں کی آرائش و زیبائش کا حال لکھتے ہوئے چپکے سے درمیان میں یہ فقرے جڑ دیئے ہیں۔

"ہر کمرہ سامان اور آرام کے لحاظ سے مسعود منزل واقع شبلی منزل سے زیادہ بہتر ہے"۔[2]

عمِ محترم کو لکھتے ہیں، سلام مسنون کے بعد ابتدا اس طرح کی ہے:

" پلاؤ مبارک! یہاں تو اُبلا کچّا آلو اور مچھلی بس یہی دو[2] چیزیں مدارِ زندگی ہیں ....

...... بھائی داؤد صاحب کا "مرضِ[3] مبارک" تو اب "سالانہ عرس[4]" ہو گیا"

اپنے برادر زادے کو لکھتے ہیں:

"غلطی سے ندوہ کی شرکت کے لئے تمہارا سفر اور کفارۂ گناہ کے طور پر گھر پہنچ جانا پہلے معلوم ہو چکا تھا"[5]

"کل مجھے ملا پن کے صدقہ ایک اسلامی یورپین نکاح پڑھانا پڑا ...... یورپ کے مرغزار سے ہمارا صحرا ہی ہمیں محبوب ہے، یہ مجاز اب حقیقت ہے کہ ع

حب الوطن از مُلکِ سلیمان خوشتر[6]

یہ کیا کہتے ہو کہ ہم وزیر اعظم سے مرعوب ہو گئے؟ مرعوبیت اتنی بھی ہوئی ہو جتنی مجھے اپنے بڑے بھائی کے سامنے ہوتی ہے تو کفر ...... وزیر اعظم سے رعب کھانا قابلِ مضحکہ تخیل ہے[7]"۔

"میری لال ٹوپی بھی ولائت میں عجائب المخلوقات میں سے ہے، انگلینڈ میں تو جدھر نکلتا ہوں تماشا بن جاتا ہوں ...... مشرقی مسلمان اقوام سے انگلینڈ آنے والے صرف ہندوستانی مسلمان ہیں، وہ بمبئی ہی سے "صاحب" بن کر روانہ ہوتے ہیں اور اکثر تو گھر ہی میں دیسی صاحب بن لیتے ہیں[8]"۔

---

[1] برید فرنگ ص۵ [2] ایضاً ص۵ [3] یعنی سالانہ خارشت [4] برید فرنگ ص۸ [5] ایضاً ص۱۱۵
[6] ایضاً ص۱۱۱ [7] ایضاً ص۱۱۵ [8] برید فرنگ ص۱۵۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چچا صاحب کو خط اس طرح لکھتے ہیں:

"چچا جان! کیوں صاحب! چچا جان کو لوگ مذاق کیوں سمجھتے ہیں، میں بھی ہندوستان میں اس کو مذاق سمجھتا تھا مگر ولایت کی فرزانہ اور دانش آموز آب وہوا میں سوچتا ہوں تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، بنابریں امید ہے کہ آپ جو ولائتی چیزوں کو نئی روشنی میں دیکھ کر قابلِ تقلید سمجھتے ہیں میرے اس نئے اجتہاد کو مذاق پر محمول نہ فرمائیں گے"[1]

رمضان المبارک رخصت ہو چکا ہے اور عید کا چاند نظر آئے دو گھنٹے ہوئے ہیں، اس کو اس طرح لکھتے ہیں:

"رمضان شریف تو یہاں بھی تشریف لائے تھے کوئی دو گھنٹہ ہوئے کہ رخصت ہوئی، کل عید ہے"[2]

چچا صاحب کو لکھتے ہیں:

"آپ چندہ لینے کو آئیں تو کون نہ دے ع

غازی چو توئی رواست کافر بودن"[3]

انہی کو دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"جنابِ والا! آپ سے تمام راز اس لئے کہے جاتے ہیں کہ اُن سے بیجا فائدہ اٹھائیں"[4]

ایک خط میں غالباً چچا جان کی شاعری پر انہیں مبارک باد دینے کا طریقہ انوکھا اختیار کیا۔

"کارڈ شرف افزا ہوا۔ پلاؤ مبارک! چاند کا قران السعدین مبارک"[5]

مولانا عرفان صاحب کو لکھتے ہیں:

"آپ نے مولویوں کو چھوڑ کر گرہ بجوٹوں سے عہد باندھا، کیا پوچھ سکتا ہوں ———

تو عہد با کہ بہ بستی و از کہ بگسستی"[6]

مولانا شاہ معین الدین ندوی صاحب کو لکھتے ہیں:

"آپ جو کچھ لکھیں اس میں خیال رکھیں کہ سختی نہ آنے پائے۔

گر گڑ سے مرے تو زہر کیوں دیجئے"[7]

---

[1] برید فرنگ ص۱۵۵، [2] برید فرنگ ص۱۱۷، [3] معارف دسمبر ۱۹۶۰ء ص۴۶۰، [4] معارف دسمبر ۱۹۶۰ء ص۴۶۲
[5] معارف دسمبر ۱۹۶۰ء ص۴۶۳، [6] مکاتیب نمبر نقوش ص۴۹۶، [7] معارف جون ۱۹۵۷ء مکتوب نمبر ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہیں کو ایک دوسرے خط میں تحریر فرمایا:

"اب یہاں سے نکلنے کو پر تول رہا ہوں"[۱]

ایک تیسرے خط میں لکھتے ہیں:

"آج کچھ دسہری اور سپیدے اور لنگڑے ٹوٹنے کی امید ہے، ثمر بہشت کے دانے اچھے آتے ہیں مگر افسوس پدر بزرگوارِ اول کی طرح مجھے اِس "ثمرِ بہشت" سے محروم رہنا پڑے گا یعنی اس سے پہلے ہی بہشت زارِ دلیسنہ سے نکلنا پڑے گا۔"[۲]

سید صاحب کے مزاج کی یہ شگفتگی معمولی چٹکلے بازی سے گذر کر بعض اوقات لطیف مزاح کا روپ بھی اختیار کر لیتی ہے:

"ہر کشتی کسی مرد یا صنفِ نازک کی انگلیوں سے حرکت کرتی ہوئی کسی نہ کسی جھاڑی میں پہنچ کر گھنٹوں آرام کرتی ہے .... ارضی جنت کے اِس احاطہ میں آکر فرشتۂ غیب کی جو پہلی آواز آپ کے کانوں میں آئے گی وہ اعلموا ما شئتم ہے ..... غرض ہر وہ مقام جہاں کوئی مادی جسم رہگذر پا سکتا ہو اس "شریف طبقہ" کے وجود سے محروم نہیں"[۳]

ایک جگہ ایسا لکھا ہے:

"باغ کی ایک طرف روش پر "لذتِ شب" کے سوداگروں کا بازار ہے، تماشا خود محوِ خرام ہے اور تماشائی زرِ جیب جگر کاٹ رہے ہیں، ایک اور طرف رقص و سرود کا سامان ہے"[۴]

ایک مقام میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

"یورپ کو ہر چیز میں اسی طرح تجارت ہی تجارت اور بنیا پن ہی بنیا پن نظر آتا ہے جس طرح کہتے ہیں کہ ایشیا کے صوفیوں کو ہر جگہ خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔"[۵]

بعض سیاسی مصلحتیں بسا اوقات مکتوبات میں بھی کھل کر بات کہنے کی اجازت نہیں دیتیں، ایسے مواقع پر وہ ٹرک

---

[۱] معارف اپریل ۱۹۵۶ء مکتوب نمبر ۱۴۔ [۲] معارف اپریل ۱۹۵۶ء مکتوب نمبر ۱۴۔ [۳] برید فرنگ ص ۱۱۴
[۴] برید فرنگ ص ۱۴۰ [۵] برید فرنگ ص ۱۲۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلیغ انداز میں رمزیہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں، پاک و ہند میں کشمیر کا مسئلہ بڑی نازک صورتِ حال اختیار کر گیا تو سید صاحب ہندوستان میں بیٹھے ہوئے مسعود عالم ندوی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوئے کنایہ و رمز کا طریق اختیار کرتے ہیں۔

"معلوم نہیں آپ کے "ہمسایہ" کا کیا حال ہے، مجھے اس کا بڑا تعلقِ خاطر رہتا ہے، وَلِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ"[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"آپ کے ہمسایہ کے لئے ہمیشہ دست بدعا رہتا ہوں میری نگاہ میں اس کی بڑی اہمیت رہتی ہے"[2]

مؤرخانہ دیانت داری ان کے مکتوبات کا خاص جوہر ہے، وہ احباب کو خط لکھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں، اسی طرح وہ اپنے رفقاء کو کسی نہ کسی مقالہ یا کتاب لکھنے کی ترغیب دیا کرتے ہیں، ان کی شائع شدہ تحریروں کی غلطیوں سے انہیں آگاہ فرماتے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

امتیاز علی عرشی صاحب کو تحریری کام کرنے کی ترغیب اس طرح دیتے ہیں:

"سیدنا عمر فاروق رضؓ کے مکاتبات و خطبات جمع کیجئے، کنز العمال، موطاء امام مالکؒ، مسندِ دارمی تو مطبوعہ ہیں، باقی مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ قلمی، باقی صحاح و سنن و مسانید تو موجود ہی ہیں۔

علاوہ ازیں طبری اور بلاذری بھی ملاحظہ ہو"[3]

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کو اپنے علمی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے اس پیرایہ میں تشویق دلاتے ہیں۔

"ضرورت ہے کہ آپ تاریخ کے کوچہ سے اپنا قدم باہر نکالیں اور دوسرے فنون کی طرف توجہ کریں"[4]

---

[1] برید فرنگ ص ۱۱۷ یہ بھی اس کی ایک اچھی مثال ہے، برید فرنگ میں اور بھی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ [2] مکاتیب سید سلیمان ندوی ص ۲۱۳، [3] مکاتیب نمبر نقوش ص ۲۹۵ [4] معارف اپریل ۱۹۵۷ء مکتوب نمبر ۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہی کو ایک دوسرے گرامی نامے میں ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں:

"آپ اپنے لئے تاریخ کے سوا کوئی دوسرا میدان ڈھونڈھیے، اتنے دنوں میں آپ کا مذاق پختہ ہو چکا ہے، آپ ہی بتائیں کہ ادب، فلسفہ، کلام کون سا میدان پسند ہے یا عصریات میں سے کوئی چیز مرغوب خاطر ہو[1]"

مسعود عالم ندوی کو کئی خطوط اس طرح کے لکھے ہیں کہ وہ کوئی مضمون یا کتاب لکھیں، ہم صرف ایک مثال دیتے ہیں:-

"میرا بڑا جی چاہتا ہے کہ کسی ندوی کے قلم سے ردِّ اشتراکیت پر کوئی رسالہ نکلے، اسی لئے آپ سے خواہش ہے کہ یہ آپ کے دلچسپی کی چیز ہے[2]"

اسی طرح جب کوئی محب کوئی غلطی کرتا تو فوراً اس کی طرف متوجہ ہو جاتے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

مالک رام صاحب کو لکھتے ہیں:

"آپ کے مضمون میں بعض باتیں تصحیح طلب ہیں، مضمون پر نشان بنا دیا گیا ہے اور الگ کاغذ پر ایک نوٹ بھی ہے[3]"

شاہ معین الدین ندوی کو اصلاح دیتے ہیں -

"شذرات میں غبارِ خاطر میں چند باتیں کھٹکتی ہیں، اصلاح کر دیجئے -

۱- زاغ و زغن نکال دیجئے -

۲- سعی و محنت سے نہیں بلکہ عطا الوہیت ہے کی جگہ "عطاء موہبت سے ہے" بنا دیجئے -

۳- اظہارِ و بیان کی فراوانی کی جگہ قوتِ اظہار و بیان کی فراوانی کر دیجئے[4]"

---

[1] معارف اگست ۱۹۵۶ء مکتوب نمبر ۳۹ [2] مکاتیب سید سلیمان ندوی ص۱۵
[3] مکاتیب نمبر نقوش ص۵۱۴ [4] معارف اپریل ۱۹۵۶ء مکتوب نمبر ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہی صاحب کو دوسرے خط میں اس طرح ٹوکا:

"گاندھی جی کا ماتم دیکھا، آورد اور آمد کا فرق اور سب ٹھیک ہے.........
تنقید میں اعتدال ہو ابتذال نہ ہو[1]"

نصیر الدین ہاشمی صاحب کو تحریر فرمایا ہے:

"نسخہ کی آخر کی عبارت ضعیف عباد اللہ اگر آپ نے صحیح نقل کیا ہے تو غلط ہے، اضعف
عباد اللہ چاہئے جیسے اس کے بعد واعجز خلق اللہ ہے[2]"

رفیق خاور صاحب نے سید صاحب کے مجموعۂ مکاتیب برید فرنگ پر ذیل کا تبصرہ کیا ہے:

"....... ان خطوں سے اس وقت کی اسلامی دنیا اور یورپ کے سیاسی و معاشرتی
حالات پر روشنی پڑتی ہے، جس سے ان کی اہمیت ظاہر ہے، سید صاحب کا سیدھا
سادھا اسلوب اور سنجیدہ مزاج ان خطوط میں بھی نمایاں ہے، اس طرح کتاب کو دوگونہ
ادبی و تاریخی اہمیت حاصل ہے[3]"

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب نے سید صاحب کے خطوط پر حسب ذیل رائے دی ہے:

"علامہ اقبال کے خطوط اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ وہ ایک بڑے شاعر کے خطوط ہیں
جو ان کے ذہن اور نظام فکر سمجھنے میں مدد دیتے ہیں لیکن ان میں انشاء پردازی کا کمال
نہیں ہے ان کی عبارت کہیں انگریزی کے شکنجہ میں گرفتار ہے اور کہیں فارسی کے،
اُن کے مقابلہ میں سید سلیمان ندوی مرحوم کے خطوط کہیں زیادہ دلچسپ ہیں جن میں
حسن اندیشی اور انشاء پردازی بھی ہے[4]۔"

---

[1] معارف اگست ۱۹۵۷ء مکتوب نمبر ۳۳ [2] مکاتیب نمبر نقوش ص ۵۱۶

[3] ماہِ نو نومبر ۱۹۵۳ء ص ۵۷

[4] اُردو خطوط کے پچیس سال ص ۱۳۴ جوبلی نمبر ساقی مدیر شاہد احمد دہلوی۔

© rasailojaraid.com